کشمیر کے فارسی شعری ادب میں محمد قلی سلیم اور ملاشاہ بدخشی کی خدمات

عبدالکریم

ریسرچ اسکالر

شعبہ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

Ph.no: 6006072237

E.mail:abkarimmuntazir786@gmail.com

تعارف:

ہندوستان کی تاریخ میں مغل دور فارسی زبان وادب کا زرین دور مانا جاتا ہے۔ مغل بادشاہ ترکی النسل ہونے کے سبب فارسی زبان سے دلچسپی رکھتے تھے اور اپنے عہد میں انہوں نے اس زبان کو درباری زبان قرار دیا۔ مغلوں نے فارسی زبان وادب کی سرپرستی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغل بادشاہوں کے دربار میں امراء کی داد و دہش کے چرچے سن کر علماء و ادباء اور شعراء بڑی تعداد میں دیگر ممالک سے ہجرت کر کے ہندوستان میں سکونت پزیر ہوئے۔ مغل بادشاہ علم وہنر کے قدردان اور شعر و سخن سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ اہل سخن کو اپنے دربار میں دعوت دیتے اور ان کے کلام کو سن کر انہیں انعام واکرام سے نوازتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے شعراء کی ایک بڑی تعداد انعام واکرام کی ہوس یا یوں کہا جائے کہ ذریعہ معاش کی تلاش میں ہندوستان آئے۔ ان میں سے کچھ ایسے شعراء بھی تھے جنہیں دولت سے زیادہ شہرت کی تمنا تھی۔ کیونکہ مغل شہنشاہ اور شہزادے علم وادب کا ذوق رکھتے تھے اس لیے اس عہد میں علم وادب کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ مغل عہد کے بادشاہ جن میں بابر، ہمایوں، اکبر اور جہانگیر فارسی میں شعر کہتے تھے ان بادشاہوں کے علاوہ کامران اور داراشکوہ صاحب دیوان شاعر تھے۔ شہزادیوں میں نور جہاں، ممتاز محل اور زیب النساء شعر کہتی تھیں۔ بابر اور جہانگیر مؤرخ وادیب تھے۔ تزک بابری اور تزک جہانگیری تاریخ وانشاء کے نہایت عمدہ نمونے ہیں۔ ان کتابوں کا دنیا کی مختلف زبانوں میں

Scanned with OKEN Scanner

ترجمہ بھی ہوا جس سے ان کتابوں کی اہمیت وافادیت کا پتہ چلتا ہے۔ اورنگ زیب بھی ایک اچھا انشاء پرداز تھا۔

ہندوستان میں مغل دور میں فارسی شاعری کا عروج ظہیر الدین بابر سے شروع ہوتا ہے ۔بابر صاحب علم اور رزم وبزم کا ماہر تھا۔ وہ فارسی زبان وادب کا اعلی ذوق رکھتا تھا۔ اس کی مشہور و معروف تصنیف تزک بابری ہے جو دنیا کی بہترین علمی اور تاریخی سرمایہ میں شمار ہوتی ہے اس کے ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں میں ہوئے ہیں۔ بابر نہ صرف ترکی زبان کا شاعر تھا بلکہ فارسی میں بھی اس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ بابر کے بعد ہمایوں کا دور آتا ہے۔ ہمایوں کی زندگی کا بیشتر حصہ جنگ وجدال میں گزرا لیکن اس کے باوجود فارسی زبان وادب کی شمع کو اس نے بجھنے نہیں دیا۔ جب بھی موقع ملتا شعر وشاعری کی طرف راغب ہو جاتا۔ ہمایوں کی مادری زبان ترکی تھی لیکن فارسی زبان میں عبور حاصل تھا چنانچہ فارسی زبان میں شعر بھی کہتا تھا۔ اس کے دربار میں شعر وشاعری کی محفلیں ہمہ وقت گرم رہتی تھیں اور بہت سارے علماء وفضلاء اور نامور شعراء نے اس کے دربار سے انعام واکرام حاصل کیا۔

ہمایوں کے بعد اکبر کا دور آتا ہے۔ یہ دور ۱۵۵۶ء سے ۱۶۰۵ء تک رہا ہے۔ اس دور کو فارسی زبان کی ترویج وترقی کا زرین دور کہا جاتا ہے۔ اس کے دور حکومت میں ہندوستان علوم وفنون کا مرکز بن گیا تھا۔ اکبر نے گزشتہ بادشاہوں کی طرح اپنے دربار کے شعراء کی سرپرستی کی انہیں انعام واکرام سے نوازا۔ اکبر کی داد ودہش کا چرچہ سن کر بیرون ممالک سے کثیر تعداد میں شعراء نے ہندوستان ہجرت کی۔ اکبر کے دور حکومت میں سلطنت کو بڑھاوا دینے کے علاوہ تمام علوم وفنون ،شعر وادب، تہذیب وثقافت غرض ہر شعبہ حیات نے خوب ترقی کی۔ اس عہد میں تاریخ نویسی کی طرف زیادہ توجہ دی گئی چونکہ اکبر تاریخ نویسی کا کافی ذوق وشوق رکھتا تھا۔ اس لئے اس عہد میں تاریخ نویسی پر مؤرخین نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اکبر کے دور میں سنسکرت اور عربی زبانوں کے علاوہ دیگر زبانوں کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ہوا۔ اکبر کے دور میں شاعری کو کافی عروج

Scanned with OKEN Scanner

حاصل ہوا۔ وہ علوم وفنون کا قدردان تھا۔ اکبر کے دربار میں ہر طبقہ کے شعراء و ادباء کو درباری شرف حاصل تھا۔ اکبر شعراء کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کرتا اور انعام واکرام سے نوازتا۔ اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے دربار میں پہلی بار ملک الشعراء کا خطاب شعراء کی قدر ومنزلت کی خاطر مقرر کیا گیا۔ اس کے دربار میں نہ صرف مسلم شعراء بلکہ ہندو شعراء کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔

اکبر کے بعد اس کا بیٹا نور الدین جہانگیر تخت نشین ہوا۔ اس نے میں اپنے اباد اجداد کی صفات کو بر قرار رکھا اور اپنے دربار کو فارسی زبان وادب کا گہوارہ بنایا۔ جہانگیر فارسی اور ترکی دونوں زبانوں پر دسترس رکھتا تھا۔ تزک جہانگیری ان ہی کا شاہکار ہے جو نثر نگاری کا ایک اعلی نمونہ ہے جہانگیر خود شعر شناس تھا اور شعراء کی قدردانی کرتا۔ اس کے دربار میں طالب آملی، عرفی شیرازی اور نظیری نیشاپوری وغیرہ جیسے قادر الکلام شعراء موجود تھے۔

جہانگیر کے بعد شاہجہاں ۱۶۲۸ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کا دور حکومت اکبر اور جہانگیر کی طرح تعمیری اور علمی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ اس بادشاہ نے فن تعمیر پر زیادہ توجہ دی۔ اس کے دور میں مصوری اور نقاشی کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ شاہجہاں کو علم وادب کا ماحول اپنے آباو اجداد سے وراثت میں ملا انہیں علم وادب سے خاص لگاؤ نہیں تھا اس کے باوجود اس کے دربار میں اہل سخن کا ہجوم ہمہ وقت رہتا۔ اس کی فیاضی اور شاہانہ سرپرستی سن کر بہت سارے نامور شعراء نے ایران سے ہندوستان کا رخ کیا۔ شاہجہاں نے ایران سے نووارد شعراء کی سرپرستی کی اور انہیں انعام واکرام سے نوازا بعض شعراء کو جاگیریں عطا کیں۔ شاہجہاں اپنی شاہانہ سرپرستی، فیاضی اور شعراء کی قدردانی میں اکبر اور جہانگیر سے بھی بازی لے گیا۔ اس کے دور کا مشہور ومعروف شاعر ابو طالب کلیم کاشانی ہے۔ یہ اپنے کلام کی بدولت عہد شاہجہانی میں ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا گیا۔ قدسی مشہدی نے جب بادشاہ کی داد ودہش کے چرچے سنے تو فورا ہندوستان کا رخ کیا۔ جب دربار میں پہنچے تو اپنی شاعری کا سکہ جما کر ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ اس کے علاوہ

Scanned with OKEN Scanner

دوسرے شعراء میں صائب، ظفر خان احسن، سالک یزدی، غنی کشمیری، صالح کشمیری۔ بینش کشمیری، ملاشاہ بدخشی، محمد قلی سلیم، فطرتی کشمیری اور عارف کشمیری وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ یہ مقالہ اسی شاہجہانی عہد کے دو شعراء یعنی محمد قلی سلیم اور ملاشاہ بدخشی کے احوال و آثار سے متعلق ہے۔

محمد قلی سلیمؔ:

محمد قلی سلیمؔ تہرانی گیارھویں صدی ھجری کے شعراء میں سے ہیں۔ ان کے بارے میں بہت کم اطلاعات دستیاب ہیں۔ سلیم نے اپنی زندگی کے قیمتی ایام لاہیجان میں گزارے۔ لاہیجان میں ملا واصبا اور ملا صبوحی سے ان کو قربت رہی ہے۔[1] سلیم نے یوسف سلطان حاکم گیلان سے بھی کسب فیض کیا، یوسف سلطان کی معزولی کے بعد سلیم شاہ عباس اول کے دور آخر میں اصفہان آگئے۔ اصفہان میں شاہ صفی کا دور اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن جب کوئی امید افزا صورت نظر نہ آئی تو شیراز آگئے۔ شیراز میں مرزا ابوالحسن حسینی فراہانی کی وساطت سے یہ والی فارس امام قلی خان تک پہنچے اور ان کی خدمت میں بھی کچھ دن رہے لیکن پھر ہندوستان چلے آئے۔ یہ ۱۰۴۱ھ/ ۱۶۳۱ء میں گجرات پہنچے اور پھر بعد میں میر عبدالسلام مشہدی معروف بہ اسلام خان ناظم گجرات و بنگال سے منسلک ہو گیے[2] سلیم نے آگرہ اور لاہور میں بھی زندگی کے کچھ دن گزارے اور آخر میں کشمیر میں گوشہ نشینی اختیار کرلی کشمیر میں انہوں نے ۱۰۵۷ھ ۱۶۴۷ء میں وفات پائی اور وہیں مزار الشعراء میں دفن ہوئے۔[3]

سلیمؔ بحیثیت شاعر:

سلیمؔ کا دیوان نو ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں قصائد، غزلیات، رباعیات اور قطعات کے علاوہ مثنویاں بھی شامل ہیں۔ مثنویوں میں "مثنوی قضا و قدر" اور "مثنوی در وصف کشمیر" کافی مشہور و معروف ہیں۔ ان کا دیوان ۱۳۴۹ھ میں تہران سے شائع ہو چکا ہے۔ شاہجہاں نامہ میں محمد صالح کنبوہ سلیم کی شاعری پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

Scanned with OKEN Scanner

"شاعر سلیم الطبع سلیم تخلص صحیح فکرت سالم فطرت.. در خیال انگیزی و ادا پر دازی با شیرین گفتار تجند پہلو میز ند و ہیچ بیتی از اشعار او خالی از ادائی نیست و در انگیخت تشبیہات ید طولی دارد و در پرداخت ایہامات دست تمام حاصل کردہ-ہزاران معانی عجیبہ و غریبہ از طبع او پدیدار گشتہ۔ اگر چہ کم گو است اما پاکیزہ گفتار است و بسیار رنگین سخن۔"۴

سلیم کا شمار ان شاعروں میں ہوتا ہے جنھوں نے سبک ہندی میں مضمون بندی اور معنی آفرینی کو بہ حد کمال پہنچا دیا۔ سلیم کے اس طرز سے بعد کے سبک ہندی کے شعراء نے خیال بندی میں استفادہ کیا ہے۔

کام عاشق چو در آید بہ بغل می میرد　　　غنچہ بر شاخ گل ما گرہ طاعون است۵

اس شعر میں خیال بندی کے ساتھ معنی آفرینی کس طرح کار فرما ہے اس کی تفصیل کا اندازہ لگانے کیلئے یہ نکات ملاحظہ ہوں:

مضمون یہ ہے کہ عشق اگر اپنی منزل کو پہنچ جائے تو عشق ختم ہو جاتا ہے کیونکہ عشق مدام سفر اور مسلسل جستجو سے عبارت ہے۔ مضمون کی بنیاد اس تفصیل پر رکھی ہے کہ طاعون میں جب بغل میں گٹھلی پھوٹتی ہے تو وہ مریض کی موت کا سبب ہوتی ہے یعنی عاشق کا مقصد جب پورا ہو جائے اور اس کی کلی کھل جائے تو گویا یہ اس کی موت کا اعلان ہے۔ اس مضمون کو گرہ طاعون کی تشبیہ نے خیال بندی اور معنی آفرینی کا اعلیٰ نمونہ بنا دیا ہے۔ اس شعر میں مضمون کا سفر منفی سے مثبت کی طرف ہے یعنی یہ کہہ کر عاشق کے مقصد کی بر آری اس کی موت کا اعلان ہے یہ کہنا چاہا ہے کہ عشق نام ہی منزل تک نہ پہنچنے کا ہے اگر عشق منزل تک پہنچ جائے تو وہ عشق نہیں رہ جاتا ہے سلیم کی شاعری کا دوسرا وصف نازک خیالی ہے، نازک خیالی اور دقت آفرینی کا دارومدار تخیل کی بلند پروازی پر ہے۔ سلیم کے کلام میں تخیل کی بلند پروازی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

از ما چو برق می گزرد آفتاب ما　　　کو فرصتی کو عرض تمنا کند کسی۶

Scanned with OKEN Scanner

مضمون یہ ہے کہ میرا محبوب میرے سامنے سے برق کی مانند گزر جاتا ہے۔ برق کی تیز رفتاری کو تھام کر عرض تمنا کس طرح کی جائے۔ شعر میں آفتاب اور برق کی مناسبت سے بھی ایک لطف پیدا ہو گیا ہے۔ محبوب کو آفتاب سے تشبیہ دے کر اسے برق رفتار قرار دینا تخیل کی بلند پروازی کا ہی کرشمہ ہے۔ تخیل کی اس کارگزاری سے مضمون میں ایک ندرت پیدا ہو گئی ہے۔

فضای گلشن ہندوستان گلستانی است　　کہ نخل موم چون عنبر در آن بہار کند ے

شعر میں خیال بندی اور معنی آفرینی غضب کی ہے۔ کہنا یہ ہے کہ گلشن ہندوستان کی فضا گلستانی ہے کہا اس طرح ہے کے ہندوستان میں موم کا بنا ہوا درخت بھی عنبر کی طرح خوشبودار ہوتا ہے۔ یہ کہ کر مضمون یہ بنایا ہے کہ ہندوستان کی فضا ایسی گلستانی ہے کہ یہاں اصل تو اصل نمائشی چیزوں میں بھی خوشبو ہوتی ہے۔

سلیمؔ کا شمار ان شعراء میں ہوتا ہے جنہوں نے تمثیل نگاری کے فن میں کمالات دکھائے ہیں۔ سلیمؔ نے دعوں پر شاعرانہ دلیل پیش کرنے میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

شراب نقل بخواہد بگیر ساغر را　　کہ احتیاج شکر نیست شیر مادر را۸

شراب کو نقل کی ضرورت نہیں بغیر نقل کے ہی شراب پی جاتی ہے۔ کیا شیر مادر کو شکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے مصرعے میں دعوے کی دلیل نے مضمون کو خیال بندی کا اعلیٰ نمونہ بنا دیا ہے۔ چند اور مثالیں ملاحظہ ہوں۔

در مقام بی خطر آزادگان را خواب نیست　　جوہر آئینہ را دل گیری از گرد اب نیست

پیش رویش مژہ را قدرت جنبیدن نیست　　دیدہ داریم ولی حوصلہ دیدن نیست

حاصل من نیست از شہد سخن جز کام تلخ　　در دہان من زبان تلخست چون بادام تلخ

بموج فتنہ چو سیلاب خانہ مارا　　خراب کردی مبادا خراب خانہ عشق۹

Scanned with OKEN Scanner

سلیمؔ کے بارے میں عام رائے یہ ہے کہ سلیم نے دوسروں سے مضامین اخذ کیے ہیں لیکن یہ بھی ہے کہ سلیمؔ کو خود یہ شکایت ہے کہ دوسروں خاص کر صایبؔ نے ان سے مضامین لیے ہیں۔

دیوان خود بدست حریفان مدہ سلیمؔ — غافل مشو کہ عمارت باغ تو می کنند

دیوان کیست از سخنانم تہی سلیم — تہمانہ بر من این ستم از دست صایبست

حقیقت جو بھی ہو سلیم اور دیگر شعراء جیسے کلیمؔ، صایبؔ اور غنیؔ وغیرہ کے " سروِ آزاد" میں کئی ایسے اشعار کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں ایک نے دوسرے سے اخذ و استفادہ کیا ہے۔

سلیمؔ: مشاطہ را جمال تو دیوانہ می کند — کا ئینہ را خیال پریخانہ می کند

صایبؔ: دل را نگاہ کرم تو دیوانہ می کند — آئینہ را رخ تو پریخانہ می کند

غنیؔ: ہر کس کہ دید روی تو دیوانہ می شود — آئینہ از رخ تو پریخا نہ می کند

صائبؔ: از چشم نیم مست تو با یکجہان شراب — ما صلح کردہ ایم بہ یک سرمہ دان شراب

سلیمؔ: صد اچگونہ بر آید کہ این سیاہ چشمان — بسنگ سرمہ شکستند شیشہ ءما را

صایبؔ: نماند نالہ دل در دپیشہ ما را — بسنگ سرمہ شکستند شیشہ ما را[۱۰]

سلیمؔ کی مثنویوں میں "مثنوی قضاوقدر" بے مثال مثنوی قرار دی جاتی ہے۔ یہ مثنوی ۱۳۴۱ء میں تہران سے آقای پرتو بیضای کی کوشش سے شائع ہو چکی ہے۔ "قضاوقدر" کے علاوہ "مثنوی وصف کشمیر" بھی ان کی معروف مثنویوں میں سے ہے۔ اس مثنوی کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ مثنوی سلیم نے لاہیجان کی وصف میں کہی تھی لیکن جب وہ ہندوستان آئے تو اسے وصف کشمیر کے نام سے بدل دیا۔ مثنویوں میں سلیم نے اگرچہ مضمون آفرینی اور معنی آفرینی سے بھی کام لیا ہے لیکن مثنویوں میں ان کا انداز بیان سادہ اور رواں ہے۔ غزلیات اور مثنویوں کے مقابلے میں سلیمؔ کے قصائد سست اور کمزور نظر آتے ہیں۔ ۔ قصائد میں وہ اپنے تخلیقی جوہر کو پوری طرح اجاگر نہیں کر پائے ہیں۔

Scanned with OKEN Scanner

انتخاب غزلیات:

در مقام بی خطر آزادگان راخواب نیست — جوہر آئینہ رادلگیری از گرداب نیست

واصلان عشق رانبود بغیری احتیاج — طاعت اہل حرم راقبلہ ومحراب نیست

دل درون سینہ ام می رقصد ازیاد وطن — ہیچ سازی ماھیان راچون صدای آب نیست

فیض بر قدر عمل باشد کہ از باغ بھشت — جزنشان خون گلی بردامن قصاب نیست

عاشقان رانیست بیم از فتنہ دور جہان — ماہیان بحر راانديشہ از سیلاب نیست ١١

انتخاب از مثنوی قضاوقدر:

شنیدم روزی از خوبانہ نوشی — چو گل از پارہ تن خرقہ پوشی

نہ فکر زندگی اورانہ مرگی — چو سرو آزادہ باشاخ وبرگی

زہر عضوم طپیدن زد چنان سر — کہ شد پیراھنم بال کبوتر

در معنی بگوش خود کشیدہ — شدہ ھمچون عصائی خود جریدہ

ہرانگشتش کلید قفل وسواس — جنون اورالسر چو موی در طاس ١٢

انتخاب از مثنوی در تعریف کشمیر:

تعالی اللہ زخاک پاک کشمیر — کہ گل راکرد صاحب زر چو اکسیر

درو دلہاہمیشہ فارغ از غم — گل سوری بفرق اہل ماتم

زبس خاکش بمردم مہربانست — گلش گلہای بوی مادر انست

شب کورابصبحش ہست تاثیر — چو موی درمیان کاسہ شیر

قدم تاخضر دراین راہ پیوست — چو نرگس شد عصایش سبز در دست ١٣

ملاشاہ بدخشی:

ملاشاہ محمد جن کالقب لسان اللہ تھااور جو ملاشاہ کے نام سے مشہور تھے ملاعبدی کے بیٹے تھے۔

آنکس کہ زراہ معرفت آگاہ است — ملاشاہ است وعارف این راہ است

ازتاثیر زبان او معلوم است — کامروز ملقب بہ لسان اللہ است ١٤

Scanned with OKEN Scanner

ملاشاہؒ کا تعلق گیارھویں صدی ہجری کے اہم قادریہ سلسلے کے صوفیوں سے تھا۔ ملاشاہ کے والد ملاعبدی بدخشان کے حاکموں میں سے تھے۔ ملاشاہ بدخشان کے مضافات میں واقع موضع ارکسا میں پیدا ہوئے تھے۔

ملک من از ملکھا ملک بدخشان آمدہ　　از بلاد از روستاق واز قری از ارکسا

ملاشاہؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی ۔ اس کے بعد ۱۰۲۳ھ / ۱۶۱۴ء میں ہندوستان آگئے ۔ مراۃ الخیال کے مطابق ملاشاہ کابل کے تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ لاہور پہنچے جہاں ان کی ملاقات میاں میر سے ہوئی۔ شروع شروع میں تو میاں میر نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی لیکن بعد میں انہیں اپنے مقربین اور مریدین میں شامل کر لیا۔ میاں میر کے کہنے پر ہی ملاشاہ نے کشمیر میں رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ جاڑے کے ایام ملاشاہ لاہور میں گذارتے تھے اور گرمی کے موسم میں کشمیر میں قیام کرتے۔ محمد دارا شکوہ اور ان کی بہن جہاں آرا بیگم پر ان کی تعلیمات کا گہرا اثر پڑا۔ شاہجہاں بھی ملاشاہ کی عزت واحترام میں کوئی کمی نہیں کرتا تھا۔

کشمیر میں کوہ ماران کا مسکن تھا اور وہیں ان کی عبادت گاہ تھی۔ اورنگ زیب کے دور میں انھیں کشمیر چھوڑنا پڑا۔ واقعات کشمیر کے مطابق ملاشاہ نے ۱۰۷۲ھ میں وفات پائی ہے۔ ان کی تاریخ وفات اس مصرعے سے نکلتی ہے" داد در توحید ملا شاہ جان" ملاشاہ لاہور میں دفن ہیں۔ عبداللطیف کی کتاب "لاہور" سے ان کی قبر کی تفصیل پر روشنی پڑتی ہے۔

His tomb is situated in a central position of the present village of Mian Mir, West of the Multan Railway line. Dara Shikoh embellished the tomb of his Pir with Marble stones and other precious materials, the Arches being of marble lattice work, but these were all removed by Ranjit Singh to decorate the Ram Bagh at Amritsar. The village, which is surrounded by high walls of

Scanned with OKEN Scanner

solid masonry, was originally the garden attached to this tomb, with a splendid gateway to the north, which still exists. The quarters were known in old times as Alamganj. The garden was converted into a village by Mehdi Shah, Sajjada Nashin of Mian Mir,about 125 years ago. ۱۵.

ملاشاہ بحیثیت شاعر:

ملاشاہ نے ایک کلیات یادگار چھوڑا ہے جس میں قصائد، غزلیات، مثنویات اور رباعیات شامل ہیں۔ شاعری میں وہ کبھی ملاشاہ اور کبھی شاہ تخلص کرتے تھے۔ غزلیات، قصائد، رباعیات اور مثنویات کے علاوہ انہوں نے قرآن کی تفسیر بھی لکھنا شروع کی تھی لیکن یہ کام ایک پارے سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ۱۶ ملاشاہ قادریہ سلسلے کے صوفی تھے اور قادریہ سلسلے کے صوفیوں کی طرح ان کا اعتقاد یہ تھا کہ دل کو اگر آلودگی سے پاک کر دیا جائے تو یہ قلب انوار الٰہی کے جلوؤں سے تابناک ہو سکتا ہے۔ ہر ذرہ وجود ربانی کا ثبوت ہے اور ہر ذرے میں نور الٰہی جلوہ گر ہے۔ بس قلب کی نگاہ کو بینا ہونا چاہیے۔ ان کے کلام میں وحدت الوجود کا یہی تصور سمویا ہوا ہے۔

انتخاب غزلیات:

شکر کہ امروز شد دولت فردای ما
رتبہ اعلیٰ گرفت ہمت والای ما

سر شی تسبیح، رشتہ زنار شد
رہ سوی میخانہ داد مرشد دانای ما

روشنی کفر ما ظلمت اسلام سوخت
تا چہ زند فتنہ با سرد گر از پای ما

نہ چراغی است در بین خانہ ویرانہ ما
روشن از آتش عشق تو شدہ خانہ ما

آری این راست کہ مرغیم ولی سیمرغیم
دام ما تا چہ بود، تا چہ بود دانندہ ما؟

در بی خانہ جانانہ ماشد ہمہ عمر
بود خود خانہ ما خانہ جانانہ ما

Scanned with OKEN Scanner

صدق دیوانگی ما مگر اعجاز نمود — شدہ جانانہ ما عاشق دیوانہ ما

عارف مدان اگر ز ملامت سلامت است — یعنی علامت رہ عرفان سلامت است

عارف رہی کہ جانب وحدت رساند و ماند — ز آنجا گذر نکرد کہ جای اقامت است

مشکل بآن کسی کہ ز ہستی گذر نکرد — خود نیست را چہ ہیبت روز قیامت است ۱۷

حوالہ جات:

۱۔ مرزا محمد طاہر نصر آبادی، تزکرہ نصر آبادی، کتاب فروشی فروغی۔ ۱۳۱۷ شمسی، ص ۲۲۷

۲۔ ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات در ایران جلد پنجم بخش دوم، کاویان تہران ۱۳۶۴ھ، ص ۱۱۶۰

۳۔ محمد اعظم دیدہ مری، واقعات کشمیر (قلمی) یونیورسٹی کلکشن مولانا آزاد لایبریری علی گڑھ، ورق ۱۴۶ الف

۴۔ محمد صالح کنبوہ، شاہجہان نامہ جلد سوم، مجلس ترقی ادب لاہور، ایشیاٹک سوسایٹی بنگال کلکتہ، ۱۹۳۹ء، ص ۴۲۰۔۴۲۱

۵۔ شمس الرحمان فاروقی، اردو غزل کے اہم موڑ، غالب اکیڈمی نیی دہلی ۱۹۹۶ء، ص ۱۵

۶۔ ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات در ایران جلد پنجم بخش دوم، کاویان تہران ۱۳۶۴ھ، ص ۱۱۶۶

۷۔ مرزا محمد قلی سلیمؔ، غزلیات و قصاید سلیم (قلمی) سبحان اللہ کلکشن مولانا آزاد لایبریری علی گڑھ

۸۔ مرزا محمد قلی سلیمؔ، غزلیات سلیم (قلمی) حبیب گنج کلکشن مولانا آزاد لایبریری علی گڑھ ۵۳۔۵۰

۹۔ ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات در ایران جلد پنجم بخش دوم، کاویان تہران ۱۳۶۴ھ، ص ۱۱۶۴۔۱۱۶۵

۱۰۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی، سرو آزاد، بتصحیح مولوی عبدالحق دخانی رفاہِ عام لاہور، ۱۹۱۳ء، ص ۶۸۔۶۹

۱۱۔ مرزا محمد قلی سلیم، کلیات سلیم (قلمی) حبیب گنج کلکشن مولانا آزاد لایبریری علی گڑھ ورق ۵۴ الف و ب

۱۲۔ مرزا محمد قلی سلیم، کلیات سلیم (قلمی) حبیب گنج کلکشن مولانا آزاد لایبریری علی گڑھ ورق ۲۱۵ ب۔۲۱۶ الف

۱۳۔ سید حسام الدین راشدی، تزکرہ شعرای کشمیر جلد اول، اقبال اکیڈمی کراچی ۱۳۴۶ح، ص ۴۱۵۔۴۱۶

Scanned with OKEN Scanner

۱۴۔ محمد داراشکوہ، سکینتہ الاولیا،(بکوشش دکتر تاراچند و سید محمد رضا جلالی نائینی) موسسہ مطبوعاتی علمی ۱۳۴۴ھ، ص ۱۵۳

۱۵۔ Syed Mohammad Latif,Lahore,New Imperial Press Lahore,1892,P.178

۱۶۔ شیر خان لودھی، مراتہ الخیال (قلمی) حبیب گنج کلکشن مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، ورق ۳۶ الف

۱۷۔ محمد داراشکوہ، سکینتہ الاولیا،(بکوشش دکتر تاراچند و سید محمد رضا جلالی نائینی) موسسہ مطبوعاتی علمی ۱۳۴۴ھ، ص ۲۰۰۔۲۰۱

Scanned with OKEN Scanner